(غلام گردش)

چابی

"پائندہ قوم" کے اصل حالات لکھتے ہوئے شدید دکھ ہوتا ہے۔ پاتال میں کیڑے کی زندگی گزارنے والے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ آزاد بھی ہیں اور خودمختار بھی۔ سیاسی مخلوق پوری دنیا میں تقریباً ایک جیسی ہے۔ اگر کہیں حالات بہتر ہیں، تو ان قانونی اداروں اور آزادانہ رائے عامہ کی بدولت جس نے انسان کو عملی طور پر انسان تسلیم کیا ہے۔ اسکے علاوہ فسانے، کہانیاں اور عقیدتوں میں لپٹے ہوئے قصے ہیں، جن پر قلم اٹھانے کی جرات نہیں کی جاسکتی۔

کیا یہ سوچنے کا مقام نہیں، کہ جس شخص "چوہدری رحمت علی" نے "پاکستان" کا لفظ تخلیق کیا۔ جس نے کیمرج یونیورسٹی برصغیر اور برطانیہ کے ہر فورم پر مسلمانوں کی مکمل آزادی کے متعلق مدلل بات کی، 1948 میں پاکستان آیا۔ ملک کو دیکھ کر عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہوگیا۔ دکھ، افسوس اور یاس۔ شائد ننانوے فیصد لوگوں کو یہ اندازہ نہیں کہ 1948 میں چوہدری رحمت علی پاکستان سے نکال دیے گئے یا خود چلے گئے۔ آج کے حالات کیا ہیں، "پاکستان لفظ کا خالق" تصور نہیں کرسکتا تھا۔ گمان ہے کہ آج کی زبوں حالی اور ناانصافی دیکھ کر، خود اپنی سانس بند کرلیتا۔ سیاست کی باریکی کو سمجھتے ہوئے بھی، اس موضوع پر قلم اسلئے نہیں اٹھاتا کہ سیاست کے موضوع پر لکھنے والے اَن گنت جید لوگ موجود ہیں۔ ان لوگوں کی لب کشائی سے پہلے ہر ذی شعور کو اندازہ ہوجاتا ہے کہ موصوف کیا فرمائیں گے۔ آزادانہ اور غیر متعصب سوچ کو لیکر اس ملک میں زندہ رہنا، صلیب کو اپنے بدن پر لادے رکھنا ہے، جسکا انجام ہر شخص جانتا ہے۔ پاکستان کی داخلی کیفیت نے جہاں ہر طبقہ کو برہنہ کر کے گرم حمام میں کھڑا کردیا ہے، وہاں اکثر لکھنے والے بھی اس حمام میں غوطے لگا رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کچھ دین کو ڈھال کے طور پر استعمال کررہے ہیں اور کچھ لبرل سوچ کو۔ مگر حمام سب کا ایک ہی ہے۔

آج ایک غیر ملکی مفکر کی بات یاد آرہی ہے جو تیس برس پہلے نیویارک میں کی تھی اور جسکو ماننے سے میں نے نہ صرف انکار کیا تھا بلکہ بحث بھی کرتا رہا تھا۔ کہتا تھا تمہاری قوم کا ڈی۔ این۔ اے (D.N.A) مشکل، پیچیدہ اور تکلیف دہ ہے۔ پوری دنیا میں، جو سوچا نہیں جاسکتا، وہ تم لوگ اتنی آسانی سے کرلیتے ہو، کہ باقی قومیں حیرت زدہ رہ جاتی ہیں۔ حیرت اب خوف میں بدل چکی ہے۔ پوری دنیا میں پاکستان کا کوئی دوست نہیں ہے۔ صرف اسلئے کہ اسکے رہنے والے خود اس ملک کے دوست نہیں ہیں۔ جب مباحثہ ہوا تو اکیلا، اس فکر کے خلاف مسلسل بولتا رہا۔ سب لوگ سنتے رہے۔ آخر میں، پروفیسر نے میری عمر اور تجربہ پوچھا۔ شائد اس وقت تیس برس کا تھا۔ پروفیسر کی بات کا جواب میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا، کہ یہ "ذاتی" سوال ہے اور یہ کانفرنس ایک خاص نقطہ پر منعقد کی گئی ہے۔ مگر آج جب عمر کے اس حصے میں ہوں جہاں شام ہوچکی ہے اور کسی وقت رات کا اندھیرا، غالب آسکتا ہے۔ حقیقت کو دلیل کی بنیاد پر سمجھنا اور سچ بولنا، اولین فرض ہے۔ دہائیوں پہلے، پروفیسر کی بات یاد کرتا ہوں تو گہری سوچ میں غوطے کھانے شروع کردیتا ہوں۔ کیا وہ سچ کہہ رہا تھا یا جو کچھ اب ہورہا ہے، یہ حقیقت ہے۔ فیصلہ آپ کیجئے۔ ایک تکلیف دہ سچ یہ بھی ہے کہ اس ملک میں ہر ادارے نے اپنی باری آنے پر، ہر دوسرے ادارے کو بے توقیر کیا، اپنے مخالفین پر زندگی تنگ کردی اور ہر طرح کے انصاف کو بالائے طاق رکھ ڈالا۔ اب صورتحال یہ ہے کہ پورے

ملک میں ایک بھی ادارہ ایسا نہیں، جو مکمل موثر اور فعال ہو۔ سب نے ایک دوسرے کو منہدم کر ڈالا ہے۔ نتیجہ نکالنا بالکل مشکل نہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اب تو یہ لگتا ہے کہ ہم تمام لوگ، اسی سلوک کے مستحق ہیں۔ یہاں مقتدر طبقہ تو ظالم ہے ہی، مگر غریب بھی اپنی حیثیت میں پورا پورا جابر ہے۔ اب یہ مشکل صورتحال ہمارا مقدر ہے۔ بلکہ ہمیں اسکی عادت سی ہو چکی ہے۔

کیا اس سے زیادہ کسی بھی ملک کی کمزوری اور لاچاری ہو سکتی ہے کہ دنیا کے ہر طاقتور دارالحکومت میں اسکی کوئی پذیرائی نہ ہو۔ ایک ایسا عظیم ملک جسکا وزیراعظم سرکاری دورہ پر گیا تھا، تو ائیر پورٹ پر خوش آمدید کہنے کیلئے، امریکی صدر اور انکی اہلیہ موجود تھیں۔ واشنگٹن کی سڑکیں باقاعدہ سجائی گئیں تھیں اور لوگوں کی قطاریں معزز مہمانوں کیلئے دیدہ شوق تھیں۔ آج حالت یہ ہے، کہ ہم قانونی معاہدے کے تحت، جنگی طیارے بھی حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے پاس زرمبادلہ کی وہ وسعت موجود نہیں کہ نقد رقم فراہم کر سکیں۔ آپ دوسرے کیمپ کی طرف نظر ڈالیے۔ روس کے صدر، پاکستان آنے سے ہچکچا رہے ہیں بلکہ تہذیب یافتہ انکار کر چکے ہیں۔ مجھے اس سرزمین سے عشق ہے مگر حقائق اپنی جگہ موجود ہیں۔ ان سے قطعاً مفر نہیں۔ دس دن پہلے، ایک پاکستانی امریکی ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی۔ وہی رگیدا ہوا امریکی سیاسی صورتحال کا جائزہ۔ اس نے بڑی دلچسپ بلکہ نئی بات کی۔ کہنے لگا کہ ڈونلڈ ٹرمپ یا اس جیسے دس بندے بھی امریکی صدر بن جائیں، تو امریکی اداروں میں اتنا دم خم ہے کہ امریکی صدر کو عصبیت اور جذباتیت سے کوئی کام نہیں کرنے دینگے۔ مسئلہ تو اس وقت شروع ہوگا، جب کوئی ہندوستانی نژاد امریکی، وائٹ ہاؤس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ ڈاکٹر کے نزدیک اگلے تیس برسوں میں یہ ایک قوی امکان ہے۔ اس وقت ہمیں قطعاً شعور نہیں کہ امریکہ میں ہندوستان سے تعلق رکھنے والے لوگ کتنی اکثریت میں ہیں اور کس کس اہم جگہ پر پہنچ چکے ہیں۔ آئی ٹی کا تمام شعبہ انکے پاس ہے۔ شائد آپکو اندازہ نہیں کہ پورے امریکہ میں ہوٹلوں کا کاروبار، "پٹیل" برادری کے پاس ہے۔ واشنگٹن میں ہندوستان کا اثر غیر معمولی ہے۔ شائد آپکو میری بات بری لگے، مگر سچ یہی ہے کہ انکی پذیرائی ہم سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ میڈیا سے لیکر بڑے کاروبار، اب آہستہ آہستہ ہمارے ہمسایہ ملک کے لوگوں کی گرفت میں آ رہے ہیں۔ تلخ بات اور بھی ہے کہ ہمیں اس اَمر کی اہمیت کا مکمل ادراک نہیں۔ قطعاً ہندوستان سے مرعوب نہیں۔ گزارش کر رہا ہوں کہ جو کچھ، ان لوگوں نے بچاس برس میں کیا، ہم صرف دس برس میں کر سکتے ہیں۔ نکتہ صرف ایک ہے، کہ ہم اپنے ملک کے داخلی حالات کو کسی بھی قیمت پر درست کر لیں۔

ہمارے ملک میں ایک اور آدھا سچ مسلسل بولا جاتا ہے کہ تارکین وطن رہتے تو امریکہ، یورپ اور مشرق وسطیٰ میں ہیں مگر انکا دل پاکستان کیلئے دھڑکتا ہے۔ یہ محض سکے کا ایک رخ ہے۔ تمام پاکستانی جو باہر امیر ہو چکے ہیں اور پرتعیش زندگی گزار رہے ہیں، شائد کبھی کبھی پاکستان کے متعلق گریہ ضرور کرتے ہوں۔ مگر جو بچے اور بچیاں، مغرب میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے ہیں، ان میں کوئی بھی پاکستان نہیں آنا چاہتا۔ انکے لئے ہم تمام لوگ بے معنی ہیں۔ امریکہ اور یو کے میں ایک اور بات بھی سامنے آئی ہے۔ پہلے لوگ اپنی بچیوں کے رشتوں کیلئے پاکستان رجوع کرتے تھے۔ اب وہاں تمام شادی بیاہ کے معاملات، پاکستانیوں کی بہتات کی بدولت، کوئی مسئلہ نہیں رہے۔ اپنے ملک میں "پائندہ قوم" محافظوں کی موجودگی میں نماز ادا کرتی ہے مگر تہذیب یافتہ دنیا کے ہر شہر میں مساجد موجود ہیں، آپ وہاں بلاخوف وخطر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ کسی پولیس موبائل یا گن مین کی ضرورت نہیں۔ ہمارے چند لوگوں نے مغربی دنیا کے نظام کو اس بے

رحمی اور غیر قانونی طریقے سے استعمال کیا ہے، کہ وہاں ہمارے خلاف ایک منفی جذبہ پرورش پاتا رہتا ہے مگر مجموعی طور پر پاکستانی، ان غیر ممالک میں کم ازکم اپنے وطن سے زیادہ محفوظ ہیں۔ ہاں محنت کش افراد، پاکستان سے باہر کہیں بھی ہوں، انکی وابستگی ملک سے کافی حدتک قائم رہتی ہے۔

گزارشات کا بنیادی نکتہ صرف ایک ہے۔ جب تک داخلی طور پر تمام معاملات کو حقیقت پسندی اور سچائی کی کسوٹی پر نہیں پرکھتے ، ہم کسی صورت میں اقوام عالم میں قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاسکتے۔ چند دہائیوں کیلئے ہمیں بیرونی دنیا سے واجبی سا تعلق رکھ کر اپنی تمام طاقت اندرونی مسائل کو حل کرنے کیلئے صَرف کرنی چاہیے۔ چین، امریکہ، اور برطانیہ نے اس چابی سے اپنی قوموں کیلئے ترقی کے دروازے کھولے ہیں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے رحم و کرم پر زندہ ہوں، مگر آزاد اور ٹھوس داخلی اور خارجی امور پر جامع منصوبہ بندی کرسکیں۔ چند برس پہلے مجھے سرکاری سطح پر ابوظہبی جانے کا اتفاق ہوا۔ پورا ملک صرف اور صرف پاکستانی اہل ہنر نے تعمیر کیا ہے۔ سڑکوں کے ساتھ لگی ہوئی گھاس، پودوں سے لیکر شہزادوں کے محلات بھی ہم نے تعمیر کیے ہیں۔ سب اسکا اعتراف کرتے ہیں۔ تعریف کرتے ہیں۔ مگر تجارت ہم سے نہیں کرنا چاہتے۔ ایک تلخ بات۔ سفارت خانے کے ایک اہم شخص نے بتایا کہ ہمارے ایک سابقہ وزیر خارجہ جب ملاقات کیلئے یو۔اے۔ای کے وزیر خارجہ سے ملنے کیلئے گئے، تو دوبارا نکی سبکی کی گئی۔ ملاقات کیلئے پروگرام کے تحت جو وقت متعین تھا، عین اسی وقت سرکاری فون آیا کہ وزیر موصوف مصروف ہیں، لہذا ہمارے وزیر ہوٹل میں انتظار کریں۔ یہ انتظار دو گھنٹے پر محیط تھا۔ اسکے بعد جب انہیں فرمایا گیا، کہ آپ تشریف لے آئیں، تو ملاقات سے پہلے پندرہ منٹ دوبارہ انتظار کروایا گیا۔ میں نجی ملاقات کی بات نہیں کررہا۔ یہ سب بے عزتی سرکاری سطح پر قصداً کی گئی۔ کسی نے اسکا ذکر تک نہیں کیا۔ ذکر کرنا بھی نہیں چاہیے۔ اسلئے کہ اب ہم سرکاری سطح پر ہر طرح کے مشکل سلوک کے عادی ہو چکے ہیں۔

ساٹھ ستر سال سے ہم ایک طوفان سے بڑی مشکل سے نکلتے ہیں۔ تو اگلے موڑ پر مزید گہرا بھنور ہمارا استقبال کررہا ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے گرداب در گرداب ہیں، مصائب در مصائب ہیں۔ ہر ایک کو انفرادی اور قومی سطح پر مشکل کا شعور ہے۔ مگر عرصہ دراز سے ابتری کو روکنے کا کوئی مضبوط فیصلہ نہ کرنا حیران کن نہیں بلکہ پریشان کن ہے۔ ہمارے تمام معاملات کی چابی صرف اور صرف داخلی حالات کو بہتر بنانے میں ہے۔ باقی سب باتیں ہیں۔

راؤ منظر حیات

Dated:20- May 2016